اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا لا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا ط وَمَا یُضِلُّ بِہٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ (البقرہ:26)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۔وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

دنیا کے مہمان خصوصی:۔

جب کوئی آدمی کسی تقریب کا انتظام کرتا ہے تو اس تقریب کا کوئی نہ کوئی مہمانِ خصوصی ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ تقریب منعقد کی جاتی ہے۔ اگر شادی کی تقریب ہے تو دولہا اور اگر دستار بندی کی تقریب ہو تو حافظ یا عالم مہمانِ خصوصی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب دنیا کے نقشے کو سجایا تو اس کے مہمانِ خصوصی جناب رسول اللہ ﷺ کو بنایا۔ عام دستور یہ ہے کہ تقریب میں لوگ پہلے آجاتے ہیں اور مہمانِ خصوصی بعد میں آتا ہے۔ چنانچہ اللہ کے محبوب ﷺ بھی دنیا میں سب انبیائے کے آخر میں تشریف لائے۔

تجلّیاتِ ہدایت کا عروج:

جب مہمانِ خصوصی آتا ہے تو اس وقت تقریب اپنے عروج پر ہوتی ہے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا دور بھی خیر کے نقطۂ نظر عروج کا دور تھا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ تمام زمانوں میں سے بہترین زمانہ میرا زمانہ ہے، پھر جو اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے، پھر جو اس کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔

گویا جب نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے دنیا میں جلوہ افروز ہوئے اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر اور ہدایت والی تجلّیات عروج پر تھیں۔ حتیٰ کہ اس زمانے کے کافروں میں بھی کچھ خوبیاں پائی جاتی تھیں۔ یہ بات دلائل سے ثابت کی جاسکتی ہے۔ مثال کے طور پر:

(۱)......جب ہرقل نے ابوسفیان کو قریشِ مکہ کے نمائندے کے طور پر اپنے دربار میں بلایا اور کہا کہ ہمیں مسلمانوں کے بارے میں بتاؤ تو انہوں نے مسلمانوں کے بارے میں معلومات دیں۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ہرقل نے جو باتیں پوچھیں انہوں نے سچ سچ بتا دیں۔ بعد میں ان سے لوگوں نے کہا کہ تم نے بات اور طرح سے کیوں نہ کر دی کیونکہ مخالف کے بارے میں تو ہمیشہ الٹی رپورٹ دی جاتی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ میرے ذہن میں بھی یہ خیال آیا تو تھا مگر پھر میں نے کہا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ قریشِ مکہ کا سردار جھوٹ بولتا تھا۔ گویا اس زمانے کے کافر بھی جھوٹ بولنے سے گھبراتے تھے۔ اس وقت خیر اتنی عام تھی۔

نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن سب کچھ ہو سکتا ہے مگر جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ اور آج جھوٹ وہ مصیبت ہے کہ اس کے سوا اور کچھ نظر ہی نہیں آتا......الا ماشاء اللہ......آپ کو سچ والا کوئی قسمت سے ہی ملے گا۔ کوئی کم جھوٹ بولتا ہے اور کوئی زیادہ۔ اگر آپ کاروبارِ زندگی دیکھیں تو آپ کو اکثر و بیشتر جھوٹ پر بنیاد نظر آئے گی۔ لگتا ہے کہ سچ کا زمانہ گیا اور جھوٹ کا زمانہ آ گیا ہے......کیوں؟......اس لئے کہ نبی علیہ السّلام کے زمانے میں خیر عروج پر تھی۔ اس خیر سے مسلمانوں کو تو حصہ ملا ہی تھا کافروں کو بھی مل گیا۔

(۲)......دوسری دلیل یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے وقت جب سہیل کافروں کی طرف سے آئے اور انہوں نے آ کر مطالبہ کیا کہ نبی علیہ السّلام کے نام کی جگہ پر جو محمد رسول اللہ لکھا ہے اس کی بجائے محمد بن عبداللہ لکھا جائے تو حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو بڑا غصہ آیا اور انہوں نے غصہ میں اسے کوئی سخت بات کہہ دی۔ جب سخت بات کر دی تو سہیل کہنے لگا، دیکھو! مجھے تمہارا ایک احسان یاد ہے، اگر تم نے مجھ پر وہ احسان نہ کیا ہوتا تو میں ابھی تمہیں جواب دیتا۔ معلوم ہوا کہ اس وقت کا کافر بھی احسان کا بدلہ چکا رہا

تھا۔اور آج یہ حالت ہے کہ اگر کوئی کسی پر ساری عمر احسان کرے تو ایک ہی لمحہ میں خون یوں سفید ہو جاتا ہے کہ جیسے ان کے سوا ان کا کوئی بڑا دشمن ہے ہی نہیں ۔گویا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ انسان صرف خدا فراموش ہی نہیں بنا بلکہ احسان فراموش بھی بن گیا ہے۔بلکہ اس سے بھی بہتر یہ ہوگا کہ یہ کہا جائے کہ آج کا انسان خدا فراموش بھی بنا،خود فراموش بھی بنا اور احسان فراموش بھی بنا۔بتانے کا مقصد یہ تھا کہ اس زمانے کے کافر بھی کچھ نہ کچھ شرفاء کی باتیں کیا کرتے تھے۔موجودہ دور میں تو بھائی دوسرے بھائی کے ساتھ ایسا حشر کرتا ہےجیسے کسی دشمن سے کیا جاتا ہے۔ایسا کیوں ہے؟اس کی ایک وجہ ہے......یہ نکتہ بھی آج آپ کو سمجھا دوں،ذرا توجہ سے سمجھنے کی کوشش کیجئے گا......اللہ تعالیٰ نے دو نام ہیں:

(۱) **ھادی**......ہدایت دینے والا

(۲) **مضلّ**......گمراہ کرنے والا

نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دور میں اللہ تعالیٰ کے نام ’’ہادی‘‘ کی تجلّیات ہر طرف عروج پر تھیں،جس کی وجہ سے شر ختم ہو گیا تھا۔اسی لئے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا:

اَلصَّحَابَۃُ کُلُّھُمْ عَدُوْلٌ صحابہ سب کے سب عادل ہیں۔

گویا آپ ﷺ یہ فرمانا چاہتے تھے کہ جنہوں نے میری شاگردی اختیار کی وہ سب کے سب عدل پر زندگی گزارنے والے ہیں۔دنیا میں ایسی کوئی جماعت کسی نے دیکھی بھی نہیں ہوگی۔یہی وجہ ہے کہ اس وقت گمراہ ہونے والوں میں بھی کچھ نہ کچھ خیر ہوتی تھی۔

......وہ وعدہ کو وفا کرتے تھے۔

......احسان کا بدلہ چکاتے تھے۔

......سچ بولتے تھے۔

......مہمان نوازی کیا کرتے تھے۔

پھر ایک وہ وقت بھی آیا جب نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس دنیا سے تشریف لے گئے۔ یوں سمجھ لیجئے کہ گویا وہ مہمانِ خصوصی جس کے لئے یہ تقریب سجائی گئی تھی، وہ آکر رونق افروز ہوئے اور وہ اب دعوت کھا کر چلے گئے۔ جب مہمانِ خصوصی چلا جاتا ہے تو پھر بعد میں محفل کو برخاست کر دیا جاتا ہے اور محفل برخاست کرنے کے بعد باقی کیا چیز رہ جاتی ہے؟ لوگ بھی اٹھ کر چلے جاتے ہیں اور کرسیاں بھی سمیٹ دی جاتی ہیں۔ گویا مہمانِ خصوصی کے جانے اور محفل کے برخاست ہونے میں کوئی فاصلہ نہیں ہوتا۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا کہ میں اور قیامت دو انگلیوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ چنانچہ محبوب ﷺ کا دنیا سے تشریف لے جانا بھی قیامت کی ایک نشانی ہے۔ لیکن اس نشانی کو بھی پورے ہوئے چودہ سو سال گزر گئے۔ قیامت آتے آتے اتنا عرصہ گزر گیا، اب بھی پتہ نہیں کہ کب قیامت آئے گی لیکن صورت حال یہ ہے کہ اب آہستہ آہستہ قیامت آنے کا منظر سجے گا۔

تکوینی انداز کی بازگشت:

دورِ صحابہ میں اس دنیا کے عجیب احوال تھے۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ وہ حالات نہ رہے۔ مگر بعد میں مسلمانوں نے سات سو سال تک دنیا میں راج کیا اور ہر طرف اسلام کا ڈنکا بجا۔ آج لوگ کہتے ہیں کہ اسلام دنیا کے اندر کیوں نہیں پھیل رہا۔ اللہ کی شان دیکھو کہ اسلام نے سات سو سال تک دنیا میں راج کیا، اب اس کے بعد تو کام آہستہ آہستہ نیچے ہی آنا ہے۔ یہ قدرت کی طرف سے ہے۔ اس کو ''تکوین'' کہتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہیں جو پورے ہو کر رہنے ہیں۔ لہٰذا اس وقت کوئی جماعت جتنی بھی محنت کر لے،

......چاہے وہ تبلیغی جماعت ہو

......چاہے وہ مشائخ کی جماعت ہو

......چاہے وہ علماء کی جماعت ہو

......چاہے وہ سیاسی جماعت ہو

کوئی جتنا مرضی زور لگالے مگر دین کے نقشے اوپر اٹھتے نظر نہیں آتے بلکہ نیچے جاتے نظر آتے ہیں۔ البتہ اتنا فرق ضرور ہے کہ محنت کرنے والوں کو اجر مل جائے گا۔ تکوینی انداز بتا رہا ہے کہ اب آہستہ آہستہ یہ حالات نیچے ہی آئیں گے۔ کیونکہ اگر مسلمان خیر کے لئے تھوڑی سی کوشش کرتے ہیں تو کافر شر کے لئے اس سے بڑھ کر کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح شر بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

پردے کی اتنی پابندی......!!!

جب اسلام عروج پر تھا تو اس وقت پردے کی اتنی پابندی تھی کہ عورتیں دن کے وقت گھروں سے نکلتی ہی نہیں تھیں۔ اگر نکلنا بھی پڑتا تو رات کو نکلتی تھیں اور اگر فوت بھی ہو جاتی تھیں تو وصیت کر کے جاتی تھیں کہ ہمارا جنازہ رات کو لے جایا جائے تاکہ دیکھنے والوں کو کفن سے ہمارے قد اور موٹاپے کا بھی اندازہ نہ ہو۔

ایک بھولا بھالا نوجوان:

امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۰ھ میں فتویٰ نویسی کا کام شروع کر دیا تھا۔ وہ ایسا زمانہ تھا جب پردے کی بہت زیادہ پابندی ہوتی تھی۔ اس دور میں ایک نوجوان امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس حاضر ہوا اور کہنے لگا، حضرت! مجھے بتائیں کہ مرد اور عورت کے جسم میں کیا فرق ہوتا ہے...... اللہ اکبر...... اس کو پتہ ہی نہیں تھا کہ مرد اور عورت کے جسم کے اعضاء میں فرق کیا ہوتا ہے۔ آپ خود اندازہ کریں کہ اس

وقت کتنا پردہ ہوتا ہوگا کہ جہاں ایک لڑکا پیدا ہوکر جوان ہو جاتا ہے اور اس کو کسی لڑکی کا جسم دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ اور آج ایسا شر اور بے پردگی کا وقت آ گیا ہے کہ بچے بچپن میں ہی وہ باتیں سیکھ جاتے ہیں جب کہ پہلے وقت میں جوان جوانی میں بھی نہیں سیکھا کرتے تھے۔

قابلِ لاحول یورپی ماحول:

اگر یورپ وغیرہ کے ماحول کو دیکھیں تو الامان والحفیظ۔

ایک وقت تھا کہ

......عورت گھر سے باہر نکلی،

......پھر اس کا چہرہ پردے میں سے نکلا،

......پھر اس کا سر ننگا ہوا،

......پھر اسکرٹ پہننے کی وجہ سے اس کی پنڈلیاں ننگی ہوئیں،

......پھر یہ کپڑا سمٹتے سمٹتے اب تو یورپ کے ماحول میں چند انچ کا لباس رہ گیا ہے۔ حتیٰ کہ جن اعضاء کو اعضائے غلیظہ کہتے ہیں آج تو وہ بھی ننگے ہو رہے ہیں۔ ان کی چھاتیوں کے ابھار صاف نظر آ رہے ہوتے ہیں۔ ان کے سینے پر ایک یا دو انچ سے زیادہ کپڑا نہیں ہوتا۔

اب بتائیں کہ وہاں فحاشی، عریانی اور بے حیائی کا کیا حال ہوگا۔ وہاں سے حیا اس قدر رخصت ہوگئی ہے کہ ہمیں بتایا گیا کہ ایک جگہ پر دو میاں بیوی (مرد اور عورت) اپنے چار بچوں کے سامنے آپس میں گلے بھی مل رہے تھے اور ایک دوسرے کو چوم چاٹ بھی رہے تھے۔ ان کے ساتھ ان کی بیٹی بھی کھڑی تھی اور ان کا بیٹا بھی کھڑا تھا۔ بچے چھوٹے بھی نہیں تھے۔ ایک بیٹا بھی جوان تھا اور ایک بیٹی بھی جوان تھی۔ باقی دو بچے چھوٹے تھے۔ ان کے ماں باپ وہیں ان کے سامنے ایک دوسرے کے ساتھ یہ معاملہ کر رہے

تھے۔

ضلالت والی تجلّیات کا عروج:

اب چونکہ قیامت آنی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ کی ہدایت والی تجلّیات ذرا کم ہوگئی ہیں۔ اب اس زمانے میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ مضل عروج پر جائے گی۔ یہ اتنے عروج پر جائے گی کہ جھوٹ پھیل جائے گا۔ حدیث پاک میں آیا ہے،

''پھر کذب پھیل جائے گا''

اس طرح ایک حدیث پاک میں یہ بھی آیا ہے کہ

''ایک وقت آئے گا کہ ہر آدمی سود کھائے گا اور اگر نہیں تو اسے سود کی ہوا تو ضرور لگے گی۔''

ان میں سے ہم بھی ہیں۔ ہمیں بھی سود کی ہوا لگتی ہے۔ مثلاً کوئی گورنمنٹ کے کسی ڈیپارٹمنٹ میں یا مل میں کام کرنے والا آدمی اگرچہ وہ محنت کر کے حلال کی روزی کما رہا ہوتا ہے لیکن اس کو جو تنخواہ مل رہی ہوتی ہے اس میں سود شامل ہوتا ہے کیونکہ دفتر والوں نے اور مل والوں نے بینکوں کے ساتھ رابطہ رکھا ہوا ہے۔ اسی طرح کئی آدمیوں کی حلال کمائی ہوتی ہے لیکن وہ اپنی رقوم سیونگ اکاؤنٹ میں رکھتے ہیں جس کی وجہ سے ان کی حلال کمائی میں بھی سود شامل ہو جاتا ہے۔ یاد رکھیں کہ سود کا ایک روپیہ بھی حلال کمائی میں شامل ہو جائے تو وہ مشتبہ مال ہو جاتا ہے۔ اب ایسے مشتبہ مال سے تو کوئی قسمت والا ہی بچا ہوا ہوگا۔ گویا اس زمانے میں یا تو بندہ سود کھا رہا ہے یا پھر اسے سود کی ہوا لگ رہی ہے۔ یوں شر پھیل رہا ہے، ہدایت گھٹ رہی ہے اور ایمان خطرے میں آتا جا رہا ہے۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ ایسا زمانہ آجائے گا کہ بندہ صبح کو اٹھے گا تو وہ ایمان والا ہوگا اور جب شام کو سونے کے لئے بستر پر جائے گا تو وہ ایمان سے خالی ہوگا۔

جب خیر کا دور تھا اس وقت کے کافروں سے بھی اچھائیاں ہو جاتی تھیں اور اب چونکہ گمراہی کی تجلّیات کا دور چل رہا ہے اس لئے آج کے نیک لوگوں سے بھی کوتاہیاں ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر......

......دونوں دوست دیندار ہیں اور ان میں حسد ہے۔

......دونوں استاد ایک ہی مدرسے میں پڑھاتے ہیں۔ دونوں قرآن پڑھانے والے ہیں اور ایک دوسرے سے حسد نہیں جاتا۔

......ایک مہتمم ہے اور ایک استاد ہے مگر آپس میں ٹسل چل رہی ہے۔

......دو پیر بھائی ہیں اور ان کے درمیان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کھٹ پٹ چل رہی ہوتی ہے اور ان کا آپس میں پھڈا چل رہا ہوتا ہے۔

جب آج کل کے نیکوں کا یہ حال ہے تو پھر دوسروں کا کیا کہنا......ایسا کیوں ہے؟......اس لئے کہ صفت مضل والی تجلّیات پڑ رہی ہیں اور بندے سے احیاناً ایسا کام ہو جاتا ہے۔

طلاق دینے والے زناکار:

اچھا خاصا نیک لڑکا غصے میں آکر اپنی بیوی کو طلاق دے دیتا ہے اور پھر معصیت میں پڑ جاتا ہے۔ یہاں تو پھر بھی ایسا بہت کم ہوتا ہے لیکن باہر کے ملکوں میں ہم نے ایک عجیب مصیبت دیکھی کہ ذرا ذرا سی بات پر آپس میں تکرار سے یا تو طلاق دے دیتے ہیں یا پھر طلاق کے ہم معنی کوئی لفظ جسے کنایہ کہتے ہیں اس کے ذریعے بیوی کو طلاق بھی دے دیتے ہیں اور پھر وہ میاں بیوی بھی بن کے رہ رہے ہوتے ہیں۔ شیطان ان سے ایسا کلیدی گناہ کرواتا ہے کہ اب وہ زنا کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں۔

بعض اوقات شیطان غصے میں کوئی ایسا لفظ کہلوا دیتا ہے جو انسان کے لئے کلماتِ کفر میں سے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر......نقلِ کفر کفر نباشد......ایک آدمی نے کہا، یار! کہاں رہتے ہو؟ دوسرے نے کہا، میں

دیوان والی بستی میں رہتا ہوں۔ پہلا آدمی کہتا ہے، اچھا، خدا کے پچھاوڑے، علماء نے لکھا ہے کہ جس نے کہا کہ خدا کے پچھاوڑے، یعنی خدا کی پشت پر رہتے ہو، فَقَدْ کَفَرَ، (پس وہ کافر ہوگیا)۔ ایک تو کفر کی وجہ سے اس کے سابقہ اعمال گئے اور دوسرا اس کی بیوی کو طلاق واقع ہوگئی۔ اب اگر وہ توبہ کر کے پھر مسلمان ہو بھی جائے تو اس سے نکاح کی تجدید تو نہیں ہوتی لہذا دونوں کو زنا کا گناہ ہو رہا ہوتا ہے۔ پتہ بھی نہیں ہوتا اور زنا کا گناہ بھی ہو رہا ہوتا ہے۔

علماء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر بیوی نے میاں سے بات کرتے ہوئے کہہ دیا کہ آپ بری صحبت چھوڑ دیں اور وقت پر گھر آیا کریں یہ تو شریعت کا حکم ہے اور آگے خاوند نے کہہ دیا، رکھ پرے شریعت کو، تو فقد کفر (پس وہ کافر ہوگیا)۔ اب دیکھیں کہ یہ کتنے نازک کلمات ہیں جو وہ بول جاتے ہیں۔

طلاق کے ہم معنیٰ الفاظ سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر اگر کوئی خاوند اپنی بیوی سے کہے کہ...... اچھا اچھا، جاؤ مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے...... تو اس کنایہ کی وجہ سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اب بتائیں کہ کس کو اس مسئلہ کا پتہ ہے اور کون ایسے مسائل پوچھتا ہے۔ باہر کے ملکوں میں تو آپ کو پتہ ہے کہ وہاں مال پیسہ بہت ہے اور ہر ایک میں انانیت ہے۔ بیوی میں بھی انا ہوتی ہے اور خاوند میں بھی انا ہوتی ہے اور جہاں انا کا معاملہ ہو تو، توبہ توبہ،...... ایک بندے نے ایسی ہی بات کی تو میں نے کہا، او خدا کے بندے! ان الفاظ سے تو تو نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے۔ اس نے کہا، نہیں جی، اس سے طلاق تھوڑا ہوتی ہے۔ میں نے کہا، کیسے ہوتی ہے؟ کہنے لگا، جیسے نکاح کے لئے گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح طلاق کے لئے بھی گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے...... وہاں تو طلاق کے بعد میاں بیوی پھر آپس میں اکٹھے رہتے ہیں اور کہتے ہیں، جی ہماری صلح ہوگئی ہے۔ ایک جگہ پر بات کرتے ہوئے ایک عورت نے اپنے میاں کی موجودگی میں بتایا کہ انہوں نے مجھے طلاق دے دی تھی۔

میں نے کہا، پھر کیا بنا؟ وہ کہنے لگی کہ پھر ہماری صلح ہوگئی۔ میں نے کہا، او خدا کی بندی! اب تو اس پر حلال نہیں ہے۔ جو تین طلاقیں دے چکا ہو وہ تو حق سے فارغ ہو چکا ہے۔ وہ کہنے لگی نہیں جی، آخر میں اس کے بچوں کی ماں ہوں اس لئے مجھے بچوں کی خاطر اس کے پاس رہنا پڑتا ہے۔ اب وہ عورت اسی گھر میں رہ رہی ہے، اس کے ساتھ اس کے تعلّقات بھی ہیں اور کہہ رہی تھی کہ اب ہماری آپس میں صلح ہوگئی ہے۔ گویا اس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپس میں صلح ہو جانے سے پھر نکاح ہو جاتا ہے...... میاں بیوی راضی تو کیا کرے گا قاضی ...... اچھا، اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ جن کے دلوں میں پہلے سے خباثت بھری ہوتی ہے وہ پھر مسلمانوں سے بڑا شکوہ کرتے ہیں کہ کوئی حال ہے مسلمانوں کا، ان کو کافر اچھے لگتے ہیں۔

پاکستان کی قدر و قیمت:

ہم لوگ نیویارک یا مانچسٹر کی فلائیٹ سے واپس آتے ہیں، جب پی آئی اے والے اتارتے ہیں اور سامان آنے میں ذرا سی دیر لگتی ہے تو لوگ بولنا شروع کر دیتے ہیں کہ اس ملک کا یہ حال ہے اور یہاں کے لوگوں کا یہ حال ہے۔ ایسی باتیں سن کر ہمیں بڑی کوفت ہوتی ہے۔

ایک جگہ میرے ساتھ ہی کھڑے ہوئے دو بندے آپس میں ایسی باتیں کر رہے تھے اور ہمارا دل جل رہا تھا۔ لیکن صبر وضبط کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک بات کرتے ہوئے مجھے کہنے لگا، مولانا! آپ لکھے پڑھے نظر آتے ہیں آپ بتائیں کہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا؟ میں نے کہا، تم نے مجھ سے ضرور تصدیق مانگنی تھی۔ تم آپس میں باتیں کر رہے تھے کرتے رہتے ...... پھر میں نے اسے سمجھایا۔ میں نے کہا، دیکھیں آپ یہاں پیدا ہوئے، پلے بڑھے، تعلیم پائی، اس دھرتی کا پانی پیا، یہاں سانس لیا، یہاں کا رزق کھایا، جب تیار ہو گئے تو تمہیں بیرون ملک نوکری مل گئی، کیا اب اس جگہ کا تم پر کوئی حق نہیں، قدر کرو

اس جگہ کی۔ پھر میں نے پوچھا کہ اگر کوئی تمہارا پاسپورٹ کاٹ دے اور تمہیں یہ کہے کہ ہمیں تمہاری کوئی ضرورت نہیں ہے تو پھر تمہیں دنیا میں قبر کی جگہ کہاں ملے گی؟ وہ کہنے لگا، پاکستان میں اور یہ کہتے ہی اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کہنے لگا، مولانا! آج آپ نے مجھے یہ احساس دلایا ہے۔ میں اس ملک کا احسان کبھی نہیں اتار سکتا۔

بات صرف اتنی سی تھی کہ جی سامان آنے میں دیر ہو رہی ہے۔ میں نے کہا، دیکھو! میں بھی وہاں سے آرہا ہوں۔ آپ بتائیں کہ جب آپ واپس جاتے ہیں تو آپ کو ائرپورٹ پر کتنا ٹائم لگتا ہے؟ کہنے لگا، ایک گھنٹہ۔ میں نے کہا، وہاں تو مشینیں تیز چلتی ہیں نا؟ کہنے لگا، جی ہاں۔ میں نے پھر پوچھا، وہاں پر کام ٹیکنیکلی ٹھیک ہوتا ہے نا؟ کہنے لگا، جی ہاں۔ میں نے کہا کہ اس مطلب یہ ہے کہ ساڑھے تین سو بندوں کے سامان کو لادنا، نکالنا، بیلٹوں پر ڈالنا اتنا ٹائم لے جاتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا وہاں بولتے ہو؟ وہ کہنے لگا کہ نہیں بلکہ وہاں اس طرح چپ ہو کے کھڑے ہوتے ہیں کہ سانس کی آواز بھی نہ آئے۔ میں نے کہا، پھر یہاں آکر کیوں بولتے ہو؟ اس پر وہ خاموش ہو گیا۔ میں نے کہا اس لئے کہ یہاں تمہیں آزادی ہے اور کوئی پوچھنے والا نہیں ہے......

اگر یہ حق بھی انسان کو دیا ہوتا تو کیا ہوتا

میں بات کر رہا تھا کہ جن لوگوں کے دلوں میں خباثت ہوتی ہے ان کو دیندار ویسے ہی برے لگتے ہیں۔ نہ وہ ملک سے خوش ہوتے ہیں اور نہ ہی مسلمانوں سے۔

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جن کو علماء اچھے نہیں لگتے۔ نہ وہ علماء کی سیاسی جماعت سے مطمئن ہوتے ہیں، نہ وہ مشائخ سے مطمئن ہوتے ہیں اور نہ ہی وہ مدارس سے مطمئن ہیں۔ مگر یہ شکر ہے کہ آگے نجات کا معاملہ اللہ کے اختیار میں ہے۔ اگر کسی بندے کے اختیار میں ہوتا تو پتہ نہیں کہ کیا ہوتا۔ بھئی! آج کے دور میں

اگر اللہ تعالیٰ اپنے کلمہ گو بندوں کو معاف کر دیتے ہیں اور ان سے خوش ہو جاتے ہیں تو پھر تمہیں دل میں بغض رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ تو یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ خدا معاف کرتا ہے تو کر دے میں نے معاف نہیں کرنا۔

مقام شکر ہے صوفی خدا کے ہاتھ میں ہے روزی
اگر یہ حق بھی انسان کو دیا ہوتا تو کیا ہوتا

دینی کاموں میں رکاوٹیں:

حدیث پاک میں آیا ہے کہ قربِ قیامت میں ایسا وقت بھی ہو گا کہ جب دین پر عمل کرنا مشکل ہو جائے گا۔ مگر جو بندہ ہمت اور کوشش کر کے دسویں حصے پر بھی عمل کر لے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن پورا عمل کرنے والوں کے ساتھ اس کا حشر فرما دیں گے۔ آج ہم ایسے ہی دور میں زندگی گزار رہے ہیں۔ آپ دین پر عمل کر کے تو دیکھیں، ہر طرف سے رکاوٹیں سامنے آئیں گی۔

......ماں رکاوٹ بنے گی۔

......باپ رکاوٹ بنے گا۔

......بیوی رکاوٹ بنے گی۔

......پڑوسی رکاوٹ بنے گا۔

......بلکہ ہر بندہ رکاوٹ بنے گا۔ الا ماشاء اللہ۔

جب نفس اور شیطان کی رکاوٹوں کے علاوہ اتنی اور بھی رکاوٹیں ہوں گی تو پھر دین پر عمل کرنا کتنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر......

(۱)......ہماری جماعت کے ایک دوست ہیں۔ ان کی بہن عالمہ تھی۔ اس کا خاوند اس کا حقیقی کزن تھا اور

اس نے پسند کی شادی کی تھی۔اس نے لڑکی سے کہا کہ اگر تم نے میرے ساتھ رہنا ہے تو تمہیں برقعے کے بغیر رہنا ہوگا۔ چونکہ لڑکی عالمہ تھی اور اس کی Personality (شخصیت) بہت ہی خوبصورت تھی، اس لئے اس نے دوٹوک لفظوں میں کہہ دیا کہ جو مرضی ہو جائے میں برقعہ نہیں اتاروں گی۔بس اس بات کی وجہ سے اس نے اسے طلاق دے کر انگلینڈ سے پاکستان واپس بھیج دیا۔

(۲)......انڈیا کی ایک لڑکی عالمہ تھی۔اس کی شادی کینیڈا میں ایک لڑکے کے ساتھ ہوگئی۔اس لڑکی نے مجھے فون پر اطلاع دی کہ جب میں خاوند کے ساتھ وہاں گئی تو اس نے مجھے تیسرے دن کہا کہ تم پردہ اتار دو اور میرے ساتھ ڈانس کلب چلو۔ماں باپ نے شادی تو کردی مگر وہ مجبور ہے، کرے تو کیا کرے۔

(۳)......ایک نوجوان کو اللہ تعالیٰ نے نوجوانی میں ہی سنت کے مطابق داڑھی رکھنے اور پگڑی باندھنے کی توفیق عطا فرمائی۔لیکن اس کی والدہ ناراض تھی۔وہ ماں باپ کے ساتھ عمرہ کرنے کے لئے گیا۔ابھی مکہ مکرمہ پہنچے ہی تھے کہ ایک ہوٹل میں بیٹھ کر بات چیت کرنے لگے کہ جب بیت اللہ شریف پر پہلی نظر ڈالی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ دعائیں قبول کرتے ہیں۔ چنانچہ باپ نے کہا کہ میں یہ دعا مانگوں گا، اس نوجوان نے کہا کہ میں یہ دعا مانگوں گا اور جب ماں سے پوچھا تو ماں کہنے لگی کہ میں تو بیت اللہ شریف کو دیکھ کر یہ دعا مانگوں گی کہ میرا بیٹا پگڑی باندھنا چھوڑ دے......(استغفراللہ)......اب بتائیں کہ جس لڑکے نے یہ وضع قطع اپنائی ہوگی اس نے اپنے نفس کے ساتھ کتنا مجاہدہ کیا ہوگا۔وہ اتنا مجاہدہ کر کے دیندار بننے کی کوشش کرتا ہے اور اس کی ماں اس کے بارے میں اس تمنا کا اظہار کرتی ہے۔

چونکہ اس وقت ضلالت والی تجلّیات عروج پر ہیں، اس لئے دین پر عمل کرنے والوں اور دین کا کام کرنے والوں میں بھی کوتاہیاں نظر آتی ہیں۔مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب ہم کوتاہیاں کرنے لگ جائیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کوتاہیوں سے معافی مانگ کر اپنی طرف سے اچھا بننے کی کوشش

کریں۔ ہمارے لئے فائدہ اسی میں ہے کہ اگر گرتے پڑتے بھی ایمان بچا جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کامل ایمان والوں کے ساتھ ہمارا حشر فرما دیں گے۔ رکاوٹیں تو بہت سی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے کام آسان کر دیا ہے۔

کم یابی کے دور میں چیز کی قدر و قیمت:

ایک اصول ذہن میں رکھیں کہ جس دور میں کوئی جنس نہ ملتی ہو اس دور میں اس کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ سیزن میں ہمارے پاس خوبصورت ٹماٹر تھے۔ ان کی شکل دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے جاپانی پھل ہوتے ہیں۔ ذائقے میں اتنے اچھے تھے کہ قریب کی آبادی کے لوگ اپنے مہمانوں کو پھل کھلانے کی بجائے ٹماٹر لے کر کھلاتے تھے۔ ہمیں اس بات کا اندازہ اس طرح ہوا کہ ایک مرتبہ ہمارے بچوں نے کہا، ابو! ہم آپ کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ میں نے کہا، ٹھیک ہے آجاؤ۔ حبیب اللہ اور سیف اللہ دونوں نے وہاں سے کھانا اٹھایا اور یہاں آ گئے۔ یہاں دسترخوان لگایا گیا۔ اللہ کی شان کہ اسی وقت کسی نے باہر سے ٹماٹر بھیج دیئے۔ جب ہم نے وہ ٹماٹر کھانے شروع کر دیئے تو کھانا پڑا رہا اور وہ ٹماٹروں سے پیٹ بھر کر چلے گئے۔

شکل اور ذائقے میں تو وہ اتنے اچھے تھے لیکن جب انہیں منڈی میں لے کر جاتے تو ہم سے کوئی دو روپے کلو بھی نہیں خریدتا تھا۔ کئی مرتبہ تو ایک روپے کلو بھی دینے پڑتے تھے۔ اس لئے کہ وہ ایسا وقت تھا کہ جب ٹماٹر عام ہو گئے تھے۔ اس کے بعد دو مہینے پہلے ایک ایسا وقت بھی دیکھا کہ جب ٹماٹر کی فصل نہیں تھی۔ اس وقت ٹماٹر کی قیمت یہاں سو روپیہ فی کلو اور کراچی میں ڈیڑھ سو روپیہ فی کلو تھی۔ جو ایک روپے کلو بھی کوئی نہیں خریدتا تھا، ڈیڑھ روپے کلو بھی کوئی نہیں خریدتا تھا اب وہی ٹماٹر ڈیڑھ سو روپے کلو فروخت ہوئے۔ ہمارے ایک ساتھی وہاں تھے وہ کہنے لگے کہ میں نے چاہا کہ جو ٹماٹر ڈیڑھ سو روپے کلو بک رہے

ہیں میں ذرا ان کی شکل تو دیکھوں۔ جب میں نے شکل دیکھی تو یہ وہ ٹماٹر تھے جن کو ہم لوگ سیزن کے اندر گڑھے میں دبا دیا کرتے تھے۔

بالکل یہی مثال ہے کہ آج کے دور میں وہ خیر والے لوگ دنیا سے چلے گئے۔ اب اس وقت جو ہم جیسا Rejected قسم کا مال ہے اس کو اللہ تعالیٰ ڈیڑھ سو روپے کلو کے حساب سے بھی قبول فرما لیں گے۔ اللہ اکبر۔

بدگمانی سے بچیں:

یاد رکھیں کہ جس نے بھی کلمہ پڑھا وہ جتنا بھی غافل ہے آپ اس سے نفرت نہ کریں۔ جب اللہ تعالیٰ نفرت نہیں فرما رہے تو ہمیں بھی نفرت نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں،

قُلْ يٰعِبَادِيْ (الزمر:53) ....(اے محبوب!) کہہ دیجئے کہ میرے بندو......

جب اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی بندگی سے نہیں نکالا تو پھر ہم اسے کیوں نکال دیتے ہیں۔ لہٰذا ہر کلمہ گو سے محبّت رکھیں، اس کی عزت واحترام کریں۔ ٹھیک ہے کہ وہ اب غافل ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے مرنے سے پہلے توبہ کی توفیق عطا فرما دیں۔ اگر توبہ کی درخواست آپ نے قبول کرنی ہے تو پھر تو واقعی خطرہ ہے اور جب پروردگار نے یہ درخواست قبول کرنی ہے تو پھر آپ کو کیا مصیبت ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ایمان والوں کے بارے میں حسنِ ظن رکھیں اور ان کی کوتاہیوں سے درگزر کریں۔ خامیاں سب میں ہوتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ کسی میں کم ہوتی ہیں اور کسی میں زیادہ۔ فرشتہ تو کوئی بھی نہیں ہے۔ اتنی باریک چھاننی سے کیوں چھانتے ہو۔ انسان کا تو یہ حال ہے کہ اسے دوسروں کے عیبوں کا شک ہو جائے تو ان سے نفرت کرنا شروع کر دیتا ہے اور اسے اپنے عیبوں کا یقین ہوتا ہے لیکن پھر بھی

اپنے نفس کے ساتھ محبّت کرتا ہے۔لہٰذا اس دور میں ہم نہ تو مسلمانوں سے بدگمان ہوں اور نہ ہی اسلام اور علماء سے بدگمان ہوں۔ بلکہ حسنِ ظن رکھیں۔اللہ تعالیٰ اسی حسنِ ظن کے صدقے بالآخر ایمان پر خاتمہ فرما دیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے بھی بدگمانی.......!!!

بعض لوگ تو اللہ تعالیٰ سے بھی بدگمان ہو جاتے ہیں۔ جی ہاں،شکوے کرنے والے خدا سے بھی راضی نہیں ہوتے،انہوں نے بندوں سے کیا راضی ہونا ہے۔......نقل کفر کفر نباشد......ایک آدمی مجھے کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ میں Favouritism بہت ہے۔میں نے کہا،کیوں؟ وہ کہنے لگا کہ بس وہ داڑھی والوں کی دعا قبول کرتا ہے اور دوسروں کی تو سنتا ہی نہیں......استغفر اللہ......اس میں اتنی جرأت اس لئے آئی کہ اس میں شر غالب آچکا تھا۔

اصول یہ ہے کہ ہر بندے میں خیر بھی ہوتی ہے اور شر بھی۔اگر کسی کی خیر غالب ہو اور شر دبا ہوا ہو تو وہ اچھا بندہ ہے اور اگر کسی میں خیر کم ہے اور اس پر شر غالب ہے اور وہ اللہ کے بندوں کے لئے مصیبت بنا ہوا ہے تو وہ برا بندہ ہے۔جب یہ بات سمجھ میں آجائے گی تو سب کے بارے میں حسنِ ظن آجائے گا۔

بدظن کرنے کی ناکام کوشش:

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا۔وہ کسی عورت کے ساتھ گناہ میں ملوث ہو گیا۔ جب اس کے بارے میں اس کے کسی مخالف کو پتہ چلا تو وہ کہنے لگا،ٹھیک ہے اب بات ہوئی، میں جا کر حاجی صاحب سے بات کرتا ہوں کہ وہ جو تمہارا چہیتا ہے اس کے یہ کرتوت ہیں۔چنانچہ وہ حاجی صاحب کے پاس گیا اور کہا،حضرت!وہ جو آپ کے ساتھ بڑی محبّت کے دعوے کرتا ہے اس نے تو یہ کبیرہ گناہ کیا ہے۔حاجی صاحب نے فرمایا،اچھا،لگتا ہے کہ اس وقت اس پر اللہ تعالیٰ کی گمراہ کرنے والی تجلّی کا اثر ہو

گیا ہوگا ۔ جب انہوں نے یہ جواب دیا تو اس آدمی کو کوئی دوسری بات کرنے کی جرأت ہی نہ ہوئی۔

نویدِ مسرت:

بھئی! بات یہ ہے کہ ہم اپنے دل میں اللہ تعالیٰ سے، اللہ کے محبوب ﷺ سے اور اللہ کے دین اسلام سے راضی رہیں۔ اس کو کہتے ہیں کہ

رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ نَّبِیًّا

میں راضی اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے! اسلام میرا دین ہے اور محمد ﷺ میرے نبی ہیں۔

جب ہم اللہ تعالیٰ سے راضی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہوں گے۔ یہ ہمارے لئے نویدِ مسرت ہے۔ لہٰذا ہر بندہ خیر کے راستے پر آگے بڑھنے کی کوشش کرتا رہے۔ اگر اس نے موت سے پہلے پہلے نیکی والی زندگی کو اختیار کر لیا تو اللہ تعالیٰ قبول فرما لیں گے۔ دنیا والے تو دروازے بند کر دیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے دروازے بند نہیں کئے۔ کوئی کتنا ہی گناہ گار کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کسی کے لئے اپنے دروازے بند نہیں کرتے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں ہدائت پر استقامت عطا فرمائے اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ دنیا سے رخصت ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ